اردو زبان کی پیدائش :
نظریات اور حقائق کا جائزہ

اردو کی ابتدا کس جگہ ہوئی، وہاں کون سی آبادیاں موجود تھیں اور ان کی گذشتہ بولیاں کیا تھیں، اردو کے طالب علم، اساتذہ اور محققین کے پاس ان سوالوں کے حتمی جواب موجود نہیں۔ ماہرین نے جو جواب فراہم کیے، ان کے بطن سے کئی نئے سوالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اکثر ماہرینِ لسانیات دوسروں کے نتائج سے اختلاف کرتے ہیں اور اپنے فیصلے کو ''آخری'' قرار دیتے ہیں۔ اس وجہ سے اردو زبان وادب کے ایک عام طالب علم کو اردو کی ابتدا کے سلسلے سے کسی نتیجے تک پہنچنے میں اضافی دشواریوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ماہرین کے درمیان اتفاق رائے نہیں ہونے کی ایک وجہ علمی اور اصولی ہے لیکن بنیادی مسئلہ اس لیے پیدا ہوا کیوں کہ دورِ آغاز کے تقریباً تین سو برسوں کے تعلّق سے اصل ادبی دستاویزات دستیاب نہیں۔ ان کی عدم فراہمی سے بھی عام لوگوں کے ساتھ ساتھ ماہرینِ لسانیات کو بھی قیاس کے گھوڑے دوڑانے کی مجبوری یا سہولت حاصل ہوگئی جس کے نتیجے میں اردو کی ابتدا اور آغاز کی مختلف کڑیوں کو جوڑنے میں انتشار کی صورتِ حال عام ہے۔

اردو کی سب سے پہلی کڑی کے طور پر ہم امیر خسرؔو کے ہندوی کلام کو دیکھتے ہیں۔ تیرھویں صدی عیسوی کے نصف سے چودھویں صدی عیسوی کے ربعِ اوّل کا یہ ادبی سرمایہ اردو کی ابتدا کے مسائل کو حل کرنے میں معاون ہو سکتا تھا لیکن خسرؔو کا ہندوی کلام امتدادِ زمانہ کی نذر ہو گیا اور اس میں الحاقی کلام اتنی مقدار میں شامل ہو گیا کہ کون اصل ہے اور کون نقل، اس کا امتیاز کرنا ممکن نہیں۔ محتاط روّیہ یہ ہونا چاہیے کہ امیر خسرو کے نام سے موجود ہندوی ذخیرے کو اُن کا اصلی کلام کسی بھی طور پر تصوّر نہ کیا جائے۔ حالاں کہ یہ سچّائی ہے کہ انھوں نے ہندوی میں لکھا۔ تخلیقی اظہار کے لیے ایک بنتی ہوئی مقامی زبان کو سر آنکھوں پہ بٹھایا لیکن یہ سوال بھی اہم ہے کہ اپنے عہد میں کیا صرف امیر خسرؔو ہی تھے جو ہندوی کو اپنے ادبی اظہار کا وسیلہ بنا رہے تھے؟ ہر گز نہیں۔ خسرؔو نے اپنے سابقین میں مسعود سعد سلمان کا نام لیا ہے۔ اُن کے زمانے میں یقیناً دوسرے لوگ بھی ہوں گے جو اس نئی اور بنتی ہوئی زبان میں ادبی تخلیقات پیش کر رہے ہوں گے۔ ہماری بدنصیبی ہے کہ ان لوگوں کی ایک بھی ادبی تحریر اصلی حالت میں محفوظ نہیں رہ سکی۔ یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ زبان اپنے تشکیلی مراحل مکمّل کر لینے کے بعد ہی ادبی اظہار کی قدرت حاصل کرتی ہے۔ اس لیے تیرھویں صدی کے نصف سے سو، دو سو برس پہلے اس زبان کے بننے کا عمل شروع ہو چکا تھا، ایسا نتیجہ اخذ کرنا نامناسب نہیں۔

Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

خسرو نے "نہہ سپہر" میں ہندستان کی 12 بولیوں کا ذکر کیا ہے، اسی میں "زبانِ دہلی و پیرامنش" ہے۔ مسعود حسین خاں، امیر خسرو کے اسی بیان سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اردو کی ابتدا کے مسائل اس وقت تک نہیں حل کیے جاسکتے جب تک دہلی اور نواحِ دہلی کی بولیوں پر غور نہ کرلیا جائے لیکن اردو کی پہلی مستند کتاب "مثنوی کدم راو پدم راو" کی شکل میں دکن میں ملتی ہے جس کا سنہ تصنیف 35-1421 کے دوران تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کتاب سے تقریباً ایک صدی پہلے امیر خسرو گزر چکے ہیں اور اُن سے اگر دو سو برس قبل اردو کا ہیولا تیار ہونا شروع ہو چکا تھا تب اس کا مطلب یہ ہے کہ اردو کی ابتدائی تاریخ کے اولین تین سو برس ایک گمشدہ باب ہیں۔ اس دوران اردو کے اہلِ قلم اور دیگر اصحاب نے کون کون سے کارہائے نمایاں انجام دیے، اس کی کسے خبر ہے؟ جب تک اس زمانے کی ادبی تحریریں حاصل نہیں ہو جاتیں، اردو کے آغاز و ارتقا کی بحث حتمی انداز میں نہیں کی جاسکتی۔

بارھویں صدی عیسوی سے سولھویں صدی تک بھکتی تحریک کے زیرِ اثر جس نئی زبان کا فروغ ہوا اور جس کے نمونے بہار سے گجرات اور پنجاب سے دکن تک پھیلے ہوئے ہیں، اتفاق سے اس کی کڑیاں اردو کی ابتدا سے متعلق گفتگو میں جوڑی نہیں جاسکیں۔ اس دوران مسلمان صوفی اور ہندو بھگت نہ صرف مذہب اور سماجی اصلاح کے معاملات میں دخل رکھتے تھے بلکہ فنونِ لطیفہ کی مختلف شاخوں میں اپنی خدمات سے ایک بالکل نئی صورت پیدا کر رہے تھے۔ ادب و شاعری، موسیقی اور تعلیم کا فریضہ یہ اصحاب کچھ اسی انداز سے اُس زمانے میں ادا کر رہے تھے۔ اس کی روشنی اور چمک دور دراز تک بڑھتی جا رہی تھی لیکن اردو کے آغاز و ارتقا کے ماہرین نے اس دوران کے پانچ سو برسوں کے ادبی اور علمی سرمائے سے سرسری گزر جانے کی حکمت عملی اپنائی۔ پندرھویں اور سولھویں صدی کے جن صوفیوں کے کلام پر خال خال غور کیا گیا، وہاں بھی عجلت کی فراوانی ہے۔ ابتدائی نمونوں میں غیر ضروری انتخاب کا رویہ بھی ہمیں بھکتی تحریک کے ادبی سرمائے سے دور رکھنے میں معاون ثابت ہوا۔

آج اردو کی ابتدا سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ہمارے ماخذات صرف اور صرف دکن کی ادبی تصنیفات ہیں۔ اُن میں بھی سترہویں صدی عیسوی کی سب سے زیادہ۔ محمود شیرانی اور مسعود حسین خاں جیسے اس موضوع کے ماہرین کی دسترس میں بھی اسی زمانے کا کلام ہے جس کی مثالوں سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اب یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ ہم یہ ضرور بتاتے ہیں کہ اردو کی پیدائش دکن میں نہیں ہوئی اور وہ شمال سے ایک بنی ہوئی زبان کے طور پر محمد بن تغلق کی افواج کے ساتھ دکن پہنچتی ہے لیکن جب ابتدائی زبان کی مثال کا موقع آئے گا تو ہمارے سامنے فخر دین نظامی سے لے کر ملا وجہی کی کتابیں ہوتی ہیں جو نہ صرف دکن میں لکھی گئیں بلکہ ان کے مصنفین بھی اسی علاقے سے آتے تھے۔ اس وجہ سے ہماری مجبوری مزید بڑھتی ہے اور اردو کی ابتدا سے متعلق ہمارے نتائج حقائق کی طرف لے جانے کے بجائے ہمیں الجھا دیتے ہیں۔

اردو کس خطے کی زبان ہے اور کن لوگوں نے اسے پالا بڑھایا، اس پر غور وفکر کا کام کافی پہلے شروع ہوا۔ امیر خسرو نے بھی اگر اسے یا اسی طرح کی کسی زبان کو "زبانِ دہلی" کہا تو اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اس نئی زبان کو وہ دوسری زبانوں سے الگ پہچاننا چاہتے تھے۔ کافی زمانے کے بعد میر امن نے "باغ و بہار" میں اردو کی پیدائش اور مولد و مسکن پر غور کرتے ہوئے اردو کو مسلمان حملہ آوروں اور مقامی ہندوؤں کے اشتراک سے بنی زبان قرار دیا ہے۔ ایک زمانے تک میر امن کا یہ نظریہ کافی مقبول تھا

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

اور مختلف لوگوں نے اِسی کا اتباع کیا۔ انشااللہ خاں انشاؔ (دریائے لطافت) اور امام بخش صہبائی (قواعد اردو) کے ہاں اس "ملواں" زبان کے نظریے کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ محمد حسین آزاد نے اردو زبان کی پہلی تاریخ "آب حیات" لکھتے ہوئے اپنا مشہور مشاہدہ درج کیا: "اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے"۔ محمد حسین آزاد بھی کہیں نہ کہیں میر امن کے اثر میں ہیں اور مغلوں کے زمانے میں آگرہ کی مرکزیت اور وہاں کی ترقی یافتہ ہونے کو بنیاد بناتے ہیں۔

اردو کی ابتدا سے متعلق گفتگو میں سید سلیمان ندوی کی رائے کو بھی خاصی اہمیت دی جاتی تھی۔ اپنی کتاب "نقوشِ سلیمانی" میں اردو کی پیدائش کا مقام وہ سندھ کو قرار دیتے ہیں۔ انھیں یہ سہولت حاصل ہے کہ وہ اپنے مفروضے کو تاریخی اور لسانی بنیادوں پر ثابت کرسکیں۔ انھوں نے اردو کے سرمایۂ الفاظ میں عربی اور فارسی عناصر کی موجودگی کی وجہ سے سندھ کے ہند اسلامی اختلاط کو مرکز میں رکھا اور اردو کا اسے مولد قرار دیا۔ سید سلیمان ندوی کی باتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے "دکن میں اردو" کے مصنف نے یہ تاریخی حقیقت پیش کی کہ فتح سندھ سے بہت پہلے علاقۂ دکن میں عرب مسلمانوں کی آمد اور مقامی آبادی سے ربط کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا۔ اس لیے اردو کا مولد دکن قرار دیا جانا چاہیے۔ نصیر الدین ہاشمی کو یہ سہولت بھی حاصل تھی کہ پندرھویں صدی سے سترہویں صدی کے دوران دکن میں اردو کا بول بالا تھا۔

پنجابی، ہریانوی اور کھڑی بولی کو مرکز میں رکھ کر اردو کی ابتدا سے متعلق تحقیق ذرا دیر سے شروع ہوئی۔ بعض لوگوں نے درمیانی راہ اختیار کی۔ پنڈت کیفی نے اپنی کتاب "کیفیہ" (1942) میں دہلی اور پنجاب کے جھگڑوں سے دامن بچاتے ہوئے لاہور سے دہلی تک کی قدیم زبان کو ایک ہی زبان مان لیا۔ تقریباً یہی بات بعض مثالوں کے ساتھ سنیتی کمار چٹرجی نے "انڈو آرین اینڈ ہندی" میں کہنے کی کوشش کی ہے۔ ٹی۔ گراہم بیلی نے اپنا جھکاو پنجاب کی طرف رکھا ہے۔ جارج گریرسن "لسانیاتی جائزۂ ہند" میں اردو کی اساس "ورناکلر ہندستانی" کو قرار دیتے ہیں۔ یہ بالائی دوآبہ اور روہیل کھنڈ کی بولی ہے۔ ژول بلاک اردو کی ابتدا کے اسباب و عوامل پر غور کرنے کے مرحلے میں ہریانوی کو اہم مانتے ہیں اور اس کی چھان بین کا مشورہ دیتے ہیں۔

اردو کی ابتدا کہاں ہوئی، اس پر ایک عرصہ تک حافظ محمود شیرانی کی رائے پر انحصار کیا جاتا رہا۔ انھوں نے 1928 میں شائع شدہ اپنی کتاب "پنجاب میں اردو" میں لسانی اور تاریخی دونوں حوالوں سے ہمیں اس نتیجے تک پہنچایا ہے کہ اردو کی ابتدا پنجاب میں ہوئی اور اردو کی ابتدائی تخلیقات پر پنجاب کے گہرے اثرات رہے ہیں۔ محمود شیرانی کو یہ سہولت حاصل تھی کہ قدیم پنجاب اور قدیم اردو کا موازنہ کرکے کوئی فیصلہ کرسکیں۔ انھوں نے سرمایۂ الفاظ، صرف ونحو اور تاریخ وارتقا کے بنیادی اصولوں کو سامنے رکھ کر اپنے نقطۂ نظر کو استحکام بخشا۔ انھوں نے بڑے پیمانے پر غیر مطبوعہ کتابوں، مخطوطات میں موجود اردو کے ابتدائی سرمائے کو بھی نشانِ راہ بنایا۔ 1928 کے بعد سے ہندستان کی آزادی اور تقسیم تک اردو کی ابتدا سے متعلق محمود شیرانی کے نظریۂ پنجاب کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل رہی۔

لیکن 1948 میں جب مسعود حسین خاں کی کتاب "مقدمۂ تاریخ زبان اردو" شائع ہوئی، اس وقت سے محمود شیرانی کے نظریے کے تسامحات پر غور کیا جانے لگا۔ محمود شیرانی کے خلاف مسعود حسین خاں نے جو سب سے بڑی فردِ جرم عاید کی، وہ یہ تھی

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

کہ شیرانی پنجابی کی جن خصوصیات کو بنیاد بناتے ہیں، وہ سب کی سب ہریانوی میں موجود ہیں۔ ان کا مشہور جملہ ہے: ''قدیم اردو کا پنجابی پن اس کا ہریانی پن بھی ہے۔'' مسعود صاحب اردو کی پیدائش کے سلسلے سے امیر خسرو کی اصطلاح، برج اور میواتی کو اردو کی اساس مانتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ مختلف عہد میں ان بولیوں نے اردو پر الگ الگ اثرات ڈالے ہیں لیکن قدیم اردو پر سب سے زیادہ اثر ہریانوی کا ہی ہے۔ چوں کہ مسعود حسین خاں پنجابی کی امتیازی خصوصیت ہریانوی سے بھی جوڑ دیتے ہیں، اس لیے ان کے نظریے کی اساس پانچ زبانوں پر قائم ہوتی ہے۔ شاید اسی لیے یہ نظریہ زیادہ مقبول ہوا۔

مسعود حسین خاں نے ہریانوی پر زیادہ زور دیا۔ محی الدین قادری زور نے یہ اختلاف کیا کہ ہریانوی اردو کے بعد کی زبان ہے اور جو لسانی اشتراک اردو اور ہریانوی میں موجود ہیں، ان کی وجہ جغرافیائی قربت کے ساتھ ساتھ زمانی قربت بھی ہے۔ زور صاحب نے مسعود حسین خاں کے نتائج کو جلد بازی میں لیا گیا فیصلہ تسلیم کیا ہے۔ لاہوری اور دہلوی زبانوں کی گتھی جو امیر خسرو کے بیان کی وجہ سے الجھی ہوئی ہے، اس پر مسعود حسین خاں کے تجزیے کے برخلاف محی الدین قادری زور نے اپنے نتائج پیش کیے ہیں۔ زور صاحب نے اپنی کتاب ''ہندستانی لسانیات'' میں اردو کی ابتدا کے تعلق سے پنجابی اور ہریانوی دونوں زبانوں کی طرف لپک دکھائی تھی لیکن 1960 کے بعد اپنے ایک مضمون ''اردو کی ابتدا'' میں وہ ہریانوی کے دعوے کو مسترد کرتے ہیں۔ وہ پورے طور پر نظریہ پنجاب کو بھی اس مضمون میں اہمیت نہیں دیتے۔

کسی بھی زبان کی ابتدا کی تاریخ اور مقام کے حتمی تعین کی کوشش اس وقت شروع ہوتی ہے جب وہ زبان پایۂ اعتبار تک پہنچ چکی ہوتی ہے۔ اس دوران کئی صدیاں گزر چکی ہوتی ہیں اور کبھی کبھی ہزاروں سال کا سفر مکمل ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لیے دستاویزات کی عدمِ دستیابی کے علاوہ مختلف سماجی اور سیاسی عوامل بھی اس گفتگو کا حصہ بنتے ہیں۔ لسانیات کے طالب علم کو سماج اور سیاست کے اس لین دین پر ہوش مندانہ نگاہ رکھنی چاہیے۔ ایک طویل مدت تک اردو کی ابتدا سے متعلق نظریات میں جو خلفشار رہا، اس کے پیچھے سیاست اور سماج کے رشتوں کے اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ محمود شیرانی جب اپنی کتاب "پنجاب میں اردو" لکھ رہے تھے، اس زمانے میں ہندستانی سیاست میں پنجاب کی مرکزیت قائم ہو چکی تھی۔ تعلیم، زراعت، افواج سے لے کر حسن وصحت جیسے تمام معاملات میں اہلِ پنجاب، کو فوقیت حاصل تھی۔ مسلم لیگ، کانگریس، آریہ سماج اور انقلاب پسندی: ان تمام منچوں پر پنجاب کے ہندو اور مسلمان اپنا زبردست اثر رکھتے تھے۔ عین ممکن ہے، اسی مرحلے میں اردو کی پیدائش کی سراغ رسانی میں اپنے گھر آنگن کی اہمیت زیادہ روشن ہو گئی ہو حالاں کہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ محمود شیرانی خود راجستھان کے ٹونک سے تعلق رکھتے تھے۔

اسی طرح مسعود حسین خاں اردو کی پیدائش کے لیے جب مقام کا تعین کرتے ہیں، اس وقت ہندستان کی تقسیم ہو چکی ہے۔ دہلی ایک اجڑی اور برباد شکل میں اپنے باشندوں کا منہ چڑھا رہی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تقسیم کے بعد اہلِ دہلی کو بھولی بسری اردو کا خیال آئے اور پھر اس کی ابتدا کے سرے جوڑے جائیں۔ مسعود حسین خاں کے اندازِ گفتگو میں جو قطعیت ہے، وہ یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ وہ کسی بھی حال میں اردو کے مولد کے طور پر دہلی سے اِدھر اُدھر نہیں جا سکتے۔ محمود شیرانی کے نظریے کی جس

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

شدّت سے مخالفت کی گئی ہے، اُس کے پیچھے بھی یہی سماجی اور سیاسی مجبوری ہے اور فضیلت کا تاج پنجاب سے اتار کر دہلی کے سر ڈالنا ہے۔ اسی وجہ سے محمود شیرانی اور مسعود حسین خاں صاحبان کے ہاں بعض اوقات اپنے علمی موقف پر بے جا اصرار دکھائی دیتا ہے۔ تحقیق کے طالب علم کو غور و فکر کے مرحلے میں ان امور سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ موجودہ دور میں ایک مخصوص سیاسی جماعت جس طرح تاریخ، تہذیب اور شعر و ادب کو اپنے سیاسی آئینے سے پہچاننے کے لیے سرتوڑ کوشش کر رہی ہے اور حقائق کو بدلنے میں کامیابی کے خواب دیکھ رہی ہے، اسی طرح گذشتہ زمانے میں اردو کی ابتدا سے متعلق جو شدّت بیانی بعض سیاسی اسباب سے ہوئی، دونوں کو ایک ہی آئینے میں دیکھنے کی میں سفارش کرنا چاہتا ہوں۔

مسعود حسین خاں نے اپنی کتاب ''مقدمۂ تاریخ زبان اردو'' کی مختلف اشاعتوں میں کافی تبدیلیاں کی ہیں۔ ان کی رایوں میں بھی جزوی تبدیلی آئی ہے لیکن اب بھی ان کا سب سے زیادہ زور ہریانوی پر قائم ہے۔ نصف صدی کی مدّت میں اس موضوع پر اُن کے کئی مضامین آئے۔ 1972 میں شائع شدہ ان کے مضمون "Some Observations on the Origin of Urdu" میں قدیم اردو کی اصل کھڑی بولی کو مانا ہے۔ سہیل بخاری نے بھی اردو اور کھڑی بولی کے رشتے کی وضاحت کی ہے۔ بعد کے زمانے میں گیان چند جین نے بھی ان اصحاب کی ہم نوائی کی۔ مرزا خلیل بیگ اور لسانیات کے حلقے میں شامل تازہ واردان رفتہ رفتہ کھڑی بولی کے نظریے سے متفق ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں عام طور پر اردو کو کھڑی بولی سے برآمد شدہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اردو اور ہندی دونوں کی اصل کھڑی بولی ہے، یہ نظریہ اب خاصا مقبول ہو چکا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پنجابی اور ہریانوی کی اردو کی ابتدا سے متعلق گفتگو میں اہمیت ختم ہو گئی یا ان زبانوں سے متعلق مطالبات کی ضرورت نہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ محمود شیرانی اور مسعود حسین خاں نے اردو کی ابتدا سے متعلق غور و فکر کا جوزاویہ اور تحقیقی ادراک عطا کیا، اسی سے فائدہ اٹھا کر جدید ماہرین لسانیات نے کھڑی بولی تک کا سفر طے کیا ہے۔ آنے والے دور میں یہ سلسلہ اور آگے جائے گا۔ شوکت سبزواری اردو کی ابتدا کے لیے پالی اور انصار اللہ پوربی زبانوں کے مطالعے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ یہ بعید از قیاس نہیں کہ آنے والے دور میں اردو کے ماہرینِ لسانیات تحقیق کی ان نئی وادیوں تک پہنچیں۔ خاص طور سے بھکتی تحریک سے متعلق ادب پر غور و فکر کرتے ہوئے پورب کی کئی بولیوں پر توجّہ دینی پڑ سکتی ہے۔ ہمیں مستقبل کے محقق اور اس کے نتائج کا انتظار کرنا چاہیے۔

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

مختصر گفتگو

۱۔ امیر خسرو کا ہندوی کلام غیر مستند کیوں ہے؟

۲۔ ماہرینِ زبان کو بھکتی تحریک کے زیر اثر پیدا شدہ ادب پر توجہ کرنے کی ضرورت کیوں ہے؟

۳۔ ''اردو کی جاے پیدائش سندھ ہے''۔ اس قول کی صداقت کو پرکھیے۔

۴۔ زبان کی پیدائش پر غور کرتے وقت کون سے مسائل سامنے آتے ہیں؟ بتائیں۔

تفصیلی گفتگو

۱۔ اردو کی ابتدا کے متعلق سب سے معتبر نظریہ کون سا ہے؟ مدلل تحریر کیجیے۔

۲۔ مسعود حسین خاں کا نظریہ محمود شیرانی کے نظریے سے کن بنیادوں پر مختلف ہے؟ مسعود حسین خاں کے نظریے کی خامیوں کو قلم بند کریں۔

۳۔ 'کھڑی بولی'، اردو کی ماں ہے۔ اس نظریے سے قبل کن کن زبانوں اور بولیوں کو ''ام الاردو'' قرار دیا گیا؟ تفصیل سے لکھیں۔

Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime

Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

اردو کا تہذیبی مزاج

اردو کی پیدائش میں مختلف لسانی، سماجی اور تہذیبی حلقوں کی خدمات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ماہرینِ لسانیات نے اپنی تحقیقات سے ان مسائل کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جن کی بنیاد پر کبھی کبھی یہ سوال اٹھتا تھا کہ اردو ایک غیر ملکی زبان ہے۔ جدید لسانیات نے ایسے ذرائع بھی آسان کر دیے جن کی مدد لے کر اردو زبان کے جسم و جان کے اجزا کی چھان بین ممکن ہے۔ صوتیات، سرمایۂ الفاظ اور صرف و نحو کی بنیاد پر بھی اردو کی تہذیبی جڑوں کی تلاش کی جا سکتی ہے۔ آج اردو کے پاس ایک ہزار سال کی تاریخ اور تقریباً چھے سو برسوں کا مستند ادبی سرمایہ موجود ہے جن کو بنیاد بنا کر اس زبان کے تاریخی اور تہذیبی انسلاکات بہ آسانی طے کیے جا سکتے ہیں۔

اردو کی پیدائش اور نشوونما کی ابتدائی کڑیوں پر غور کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندستانی، ایرانی اور عربی نسل کے لوگوں کے بیچ یہ زبان بن رہی تھی۔ عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے علاوہ ہندستان کے لسانی منظرنامے پر جب غور کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اس زمانے میں شمال مغرب سے دہلی تک خاص طور پر شورسینی اَپ بھرنش کا قبضہ تھا۔ گریرسن نے مغربی ہندی کے نام سے جن بولیوں کو پہچانا، وہ سب کی سب شورسینی اَپ بھرنش کی زائیدہ ہیں۔ اس لیے کھلے ذہن سے اردو کی پیدائش کے تعلق سے جغرافیائی اعتبار سے دہلی سے سندھ تک اور ایران و عرب تک ایک طائرانہ نظر ڈال لینا چاہیے۔

دنیا کی کم زبانیں ایسی ملیں گی جن کی تہذیبی آبادیاں اتنی کثیر اللسان ہوں۔ ثقافتی اعتبار سے بھی ان کے درمیان بہت فرق ہے۔ کہنا چاہیے کہ سفید و سیاہ کا امتیاز بھی اس میں پنہاں ہے۔ ایک خود کو زبان داں مانتا ہے اور دنیا کی تمام آبادی کو گونگی کہتا ہے۔ ایک خدائے یکتا کی پرستش کرتا ہے، دوسرا اپنے لامحدود خداؤں کا اسیر ہے۔ ایک نے اپنے مذہب والوں پر علم کا حاصل کرنا فرض کر رکھا ہے اور دوسرے نے مستورات اور کمزور لوگوں کو اس سے دور رکھنے کی مذہبی ہدایت دے رکھی ہے۔ جو ایک خدا کو ماننے والے ہیں؛ انھوں نے بھی ایک زمانے میں اپنے عبادت خانے میں تین سو ساٹھ بت رکھ چھوڑے تھے۔

تہذیبی اعتبار سے اردو کی پیدائش کے مضمرات حتمی طور پر طے کرنے میں ایک عام آدمی کو اچھی خاصی مشکلات سے اس لیے گزرنا پڑتا ہے کیوں کہ تہذیب و ثقافت کے مختلف اور متضاد آئینوں میں اردو کی شکل و شباہت پہچاننا آسان نہیں ہے لیکن اردو کی تاریخ کا مطالعہ ہمیں اس بات پر مُرتکز کر دیتا ہے کہ اردو کو کثیر ثقافتی، کثیر مذہبی اور کثیر لسانی بنیادوں کے ساتھ پہچانا جائے۔ یہیں اس زبان کی اُس خوبی کا بھی پتا چلتا ہے جس نے اِس ملک کی تہذیبی شیرازہ بندی کی۔ کثرت میں وحدت کے جلوے

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

ہندستان کی آئین نے تو حال میں دیکھے لیکن گزشتہ ایک ہزار سال سے اردو اسی بنیاد پر پروان چڑھتی رہی ہے۔

اردو کی تاریخ پر غور کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں ہندوی اثرات سب سے زیادہ رہے۔ شمال میں امیر خسرو، دکن میں نظامی، شمس العشاق، شاہ میراں جی، برہان الدین جانم اور دوسرے صوفیوں کی تحریروں کا لسانی مطالعہ، یہ واضح کرتا ہے کہ یہ تمام عربی اور فارسی زبانوں کے ماہرین اپنے لیے جو بنیادی لسانی وسیلۂ اظہار تلاش کررہے ہیں، اس کا جھکاؤ ہند آریائی کی طرف ہے۔ ان ابتدائی کوششوں سے سترھویں صدی تک اہلِ دکن کے ادبی سرمائے کی اُفتاد اس سے ایک رتی الگ نہیں۔ قلی قطب شاہ، مُلاّ وجہی اور ولی جیسے شعرا بہ طور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں کہ عربی اور فارسی کی ٹھوس روایت کے رمز شناس ہونے کے باوجود انھوں نے ہندوی لہجے کو استحکام بخشنے کا فریضہ انجام دیا۔

اٹھارھویں صدی میں جب شمالی ہندستان میں اردو زبان و ادب کی فصل پھر سے لہلہا اٹھی، اُس زمانے کی تحریروں کا لسانی مطالعہ ایک نئے مزاج کی طرف ہمارا دھیان کھینچتا ہے۔ ایہام گو شعرا بھی ہندی الفاظ کا بڑے پیمانے پر استعمال کرتے ہیں لیکن اب اس کا مقصد تفننِ طبع تھا۔ اہلِ دکن ہندوی اوصاف سے زمینی سطح کی سچائیوں اور انسان کو سنجیدگی سے سمجھنے کے مظاہر ڈھونڈ رہے تھے۔ اِسی وجہ سے دہلی میں ہندوی رویہ دکن کی طرح سکۂ رائج الوقت نہیں بن سکا۔

اسی تاریخی موڑ پر اہلِ اردو نے عربی، فارسی روایات کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ اب زبان و ادب میں دو اعتبار سے یہ سہولت حاصل ہوگئی تھی کہ عربی، فارسی زبانوں کے اثرات بڑھیں۔ پہلی وجہ اردو کے ادیبوں، شاعروں کا بالعموم عربی اور فارسی سے مکمل واقفیت تھی۔ دوسری اہم بات یہ ہوئی کہ گذشتہ دو سو برسوں میں مغلوں کے زیرِ اثر فارسی شعر و ادب کی غیر مشروط مدد نے ہندستان میں فارسی اور اسی کے ساتھ ساتھ محدود معاملات میں عربی کے لیے طاقت ور بنیاد فراہم کردی تھی۔ اہل ایران بھی ہندستان کی طرف للچائی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔ اُس زمانے میں فارسی کو ادبی معیار کے طور پر امتیاز حاصل تھا۔

اٹھارھویں صدی میں شمالی ہندستان کے اردو شاعروں اور نثر نگاروں نے خود کو دوراہے پر پایا۔ ایک طرف خسرو سے ولی تک کی تاریخ ہند آریائی رجحان کی طرف انھیں بلا رہی ہے لیکن اسی کے مقابل فارسی اور عربی کی عظیم ادبی روایات اور سماج میں موجود علمی تفوق کی صورت بھی۔ ایہام گویوں نے ہندوی روایات کا مسخ شدہ طور آزما کر اردو کے فارسی مزاج دانوں کو اصلاحِ زبان کی طرف ملتفت ہونے کا موقع فراہم کردیا۔ اصلاحِ زبان کی تحریک کے پیچھے اہلِ تصوّف کی شمولیت اور پختہ کامی بھی مزید استحکام عطا کررہی تھی۔ اس طرح فارسی روایت جس میں عربی انداز و اطوار اپنے آپ شامل تھے، اردو میں مقبول ہونے کے لیے سرگرمِ سفر ہوگئی۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ادب میں شاید ہی کوئی معتبر مثال ہو جس کی پشت پر عرب و ایران کی مُہر نہیں لگی ہو۔

اردو کی ہندوی روایت پورے طور پر معدوم ہوگئی، ایسا سمجھنا تاریخ کی رفتار کے اختلافی رویّوں سے انکار ہوگا۔ نظیر اکبرآبادی کا ادبی سرمایہ حالاں کہ بہت بعد میں ادبی اعتبار حاصل کرسکا لیکن اُس کے لسانی امتیازات کو ان دیکھا نہیں کیا جاسکتا۔ اِن دو صدیوں میں اردو نے جس سب سے بڑے غزل گو محمد تقی میرؔ کو پیدا کیا، اُن کے شاعرانہ اسلوب کو فارسیت کے حلقے میں مکمل طور پر ڈال دینا خطرناک ہوگا۔ میرؔ نے اردو غزل کی ایک نئی روایت بنائی اور فارسی اور ہندوی اسلوب کے امتزاج

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

سے ایک ایسا ملا جلا اسلوب تیار کیا جس میں اُس دور کی تمام خصوصیات مجتمع ہوگئی ہیں۔ قدیم شعرا کے اسالیب سے لے کر ان کے کم عمر ہم عصروں کی آوازوں کو بھی انھوں نے اپنے شعری سرمائے میں داخل کر کے اردو کا سب سے بڑا لسانی کارنامہ انجام دیا۔

میر کے اسی بتائے راستے پر اردو نثر نے اپنا سفر شروع کیا اور میرامن سے غالب تک اردو جدید نثر کی جو زمین تیار ہوئی، اس کا لسانی ڈھانچہ میر کی شاعری کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ سر سیّد اور پریم چند، پھر ان کے اثرات سے بیسویں صدی کے آخر آخر کی اردو نثر اُسی امتزاجی اسلوب کی پروردہ رہی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ انیسوی صدی میں مغرب کی تیز ہواؤں نے علم وادب اور ہماری زندگیوں میں جو طوفان برپا کیا، اس نے بھی ہندوی اور فارسی کے ملے جلے اسلوب کو قائم رکھا اور اس کے سب سے بڑے وکیل سر سیّد اور محمد حسین آزاد کی زبان بھی اس امتزاجی اسلوب کی حامل ہے۔

یہاں یہ نتیجہ نکال لیا جائے کہ مغربی تہذیب نے اردو کو نرم گرم ہواؤں سے محفوظ رکھا یا اردو مغرب کے اثرات سے الگ تھلگ رہی تو یہ ناانصافی ہوگی۔ اردو کے سرمایۂ الفاظ میں یورپی زبانوں کے الفاظ کا دخل ایک بڑی لسانی وجہ ضرور ہے لیکن مغرب کے فیضان کا اردو کے تعلّق سے یہ بے حد محدود کام ہے۔ مغرب نے اردو ادب کے مزاج میں ایک سائنسی رجحان اور معروضی نقطۂ نظر کا بیج ڈال کر اس زبان کو دورِ جدید کے علمی تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ دنیا بھر کے علوم وفنون اور طرح طرح کے تہذیبی عوامل سے تعلّقِ خاطر کا سلیقہ آج اردو کا بنیادی وتیرہ ہے۔ یورپ، امریکہ سے لے کر چین تک اردو کی جو نئی نئی بستیاں آباد ہو رہی ہیں، ان کی پشت پر وسیع المشربی اور کھلے پن کا ایسا سرمایہ لدا ہے جس کی برکتوں سے اردو بولنے والے دنیا کے کسی حصّے میں بھی اپنی زبان کو نئے مزاج میں ڈھال سکتے ہیں۔

اردو یقینی طور پر ہند آریائی زبان ہے اور عربی، فارسی اور مغربی اثرات کے باوجود اس کا رجحان امتزاجی ہے۔ مورّخین نے دورِ قدیم سے ہی ہندستان کی مٹی کے اِس ملے جلے انداز کو پہچان لیا۔ آریاؤں کی آمد سے لے کر ایسٹ انڈیا کمپنی تک ہندستان میں باہر سے آنے والوں کے ساتھ آویزش سے زیادہ اشتراک کا ماحول رہا ہے۔ اردو نے ہندستان کے اسی تہذیبی اختلاط کو نشانِ راہ بنا کر ایک ایسا کارنامہ انجام دیا جسے ہندستان کی لسانی تاریخ میں کبھی دہرایا نہیں جاسکا۔ بھکتی کال میں صوفیوں اور بھکتوں نے، جب اردو اپنے تشکیلی دور میں تھی، اپنی تعلیمات سے اِس نکتے کو اور بھی استحکام بخشا۔ ہندستان کی جنگِ آزادی کے دوران، اُس کے کافی پہلے فورٹ ولیم کالج میں اور ہندستان کی تقسیم کے موقع سے اِس زبان کے مذہبی انسلاکات پر معترضانہ بحثیں ہوئیں۔ اِس کے باوجود اردو نے مخلوط اور مشترکہ کلچر سے اپنے کو کبھی الگ نہیں کیا اور آج تہذیب وثقافت کی واحد نقیب کے طور پر اس زبان کی مقبولیت قائم ہے۔

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

مختصر گفتگو

۱۔ اردو پر عربی اور فارسی زبانوں کے اثرات کیسے بڑھے؟

۲۔ اردو ہندستانی تہذیب وثقافت کی واحد نقیب کے طور پر کیسے مقبول ہوئی؟

۳۔ کس زمانے کی اردو کا لسانی مطالعہ ایک نئے مزاج کی موجودگی کا پتا دیتا ہے؟

۴۔ اٹھارھویں صدی میں شمالی ہند کے اردو ادیبوں نے خود کو دوراہے پر کیوں پایا؟

تفصیلی گفتگو

۱۔ ابتدائی زمانے کی اردو پر ہندوی اثرات کو واضح کیجیے۔

۲۔ اردو ادب پر مغربی تہذیب کے کیا اثرات پڑے؟ لکھیے۔

۳۔ اردو کی تہذیبی اور سماجی جڑوں پر ایک تبصرہ پیش کیجیے۔

۴۔ اردو کے امتزاجی مزاج کے پیش نظر ہندستان کی لسانی تاریخ میں اس کے کارنامے کو واضح کیجیے۔

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

شمالی ہندستان میں اردو کے ابتدائی نقوش

پنجاب اور سندھ کے علاقے سے مسلمان افواج اور حملہ آور جب دہلی میں 1193 میں مستقلاً آباد ہوتے ہیں، اُسی وقت کو محققین نے اردو کی پیدائش کی تاریخ تسلیم کی ہے۔ پنجابی سے اردو کے قدیم سرمایے کی مماثلت اپنی جگہ لیکن عام طور پر محققین نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ اردو کی پیدائش دہلی اور اس کے مضافات میں ہوئی۔ فتح دہلی کے بعد اگلی صدی میں امیر خسرؔو جیسی عظیم شخصیت کی موجودگی یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ ادبی زبان کے طور پر اردو نے اپنی کارکردگی کا آغاز کردیا تھا۔ امیر خسرؔو کی فارسی تحریروں سے بھی پتا چلتا ہے کہ اُن کے ہم عصر مسعود سعد سلمان نے بھی اپنا اردو دیوان تیار کرلیا تھا لیکن دونوں کا ہندوی کلام ضائع ہوگیا۔

ادب کے طالب علم کے لیے امیر خسرؔو کے ہندوی کلام پر بحث کرنا آسان نہیں۔ اردو کے بڑے محققین اس موضوع سے بار بار بحث و مباحثہ میں شریک رہے ہیں۔ ایک بڑا طبقہ امیر خسرو کے موجود ہندوی سرمایے کی زبان پر سوالیہ نشان کھڑا کرتا ہے کیوں کہ ان مکرنیوں، کہہ مکرنیوں، ڈھکوسلوں کی موجودہ زبان اتنی قدیم نہیں لگتی۔ ایسا تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اُن کی زبان سات سو سال پرانی ہرگز نہیں۔ حافظ محمود شیرانی، ظ۔ انصاری اور رشید حسن خاں —— سب امیر خسرؔو کے ہندوی کلام کو مستند نہیں مانتے، حالاں کہ تاریخی طور پر یہ طے ہے کہ امیر خسرؔو نے ہندوی میں اشعار کہے تھے لیکن ایسے کلام کی حفاظت زبانی ہونے کی وجہ سے نہیں ہوسکتی۔ اس لیے شمالی ہندستان میں اردو کے پہلے قابلِ ذکر فن کار امیر خسرؔو کے طبع زاد ہندوی کلام کی تلاش میں ناکامی تاریخ ادب کا بڑا المیہ ہے۔

امیر خسرو کے ساتھ ہی ہندستان میں صوفیوں اور بھکتوں کے وسیع حلقے میں پھیلنے کی اطلاع ہمیں ملتی ہے۔ خاص طور پر چودھویں صدی عیسوی کے درمیان ہندو اور مسلمان صوفیوں اور بھکتوں نے اردو، یعنی ایک بنتی ہوئی اور خسرؔو کی آزمائی ہوئی زبان کو اپنایا۔ مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب ''اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیاے کرام کا کام'' میں اس دور کی اردو کا مختصر خاکہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ شیخ فریدالدین گنج شکر، شیخ حمیدالدین ناگوری، شیخ بہاالدین باجن، شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ شرف الدین بوعلی قلندر، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ایسے معروف صوفیۂ کرام ہیں، جن کے ملفوظات یا شاگردوں کی تحریروں میں ہندوی زبان کے چند جملے یا مصرعے موجود ہیں۔ مولوی عبدالحق نے ایسی تمام چیزوں کو جمع کر کے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ بارھویں صدی سے پندرھویں صدی کے بیچ اس زبان کا کیا رنگ اور روپ تھا۔

Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

اردو کی ابتدائی چیزوں کی تلاش میں گروگرنتھ صاحب بھی ایک بیش قیمت صحیفہ ہے۔ گرونانک نے اپنے بزرگ اور بعض معاصرین کی تخلیقات کو گروگرنتھ صاحب میں جمع کرنے کی کوشش کی۔ اس میں نام دیو اور کبیر داس کے ساتھ گرونانک کی شاعرانہ عظمت سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔ وہ زمانہ بھکتی تحریک کا ہے۔ مسلمان اور ہندو دونوں صوفیا اپنے اپنے رنگ میں سماج سُدھار کا کام کر رہے ہیں لیکن اس زمانے کے بعض لوگ اپنی تعلیمات کی وجہ سے شاگردوں کے حوالے سے ملک کے طول و عرض تک پہنچ گئے۔

بھکتی تحریک نے اس ترقی پذیر زبان کو تہذیب و تمدّن کے نئے وسائل سے ہم کنار کرایا۔ اتفاق سے اردو کے ابتدائی سرمائے پر گفتگو کرتے ہوئے اکثر ناقدین بھکتی تحریک کے زیرِ اثر لکھے گئے ادب کو علاحدہ سے اہمیت نہیں دیتے۔ اس وجہ سے اردو کی ادبی تاریخ میں شمالی ہندستان میں امیر خسرو کے بعد کوئی تین سو برسوں تک اندھیرا چھایا رہتا ہے۔ یہ اندھیرا اصل میں بھکتی تحریک کے سرمائے سے صرفِ نظر کرنے کی وجہ سے سامنے آیا جب کہ اس دور میں سُورداس، تلسی داس، نام دیو، تُکا رام کے ساتھ ساتھ کبیر اور جائسی بھی موجود ہیں۔

شمالی ہندستان میں اردو کی پہلی مستقل تصنیف محمد افضل کی ''بکٹ کہانی'' ہے جس کا سنہ تحریر 1625 مانا گیا ہے۔ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ مثنوی ''کدم راو پدم راؤ'' سے شمال کی اس ''بکٹ کہانی'' تک دو سو برس گزر چکے ہیں۔ شمالی ہندستان میں اردو شاعری کا یہ پہلا مستقل نمونہ ہے۔ یہ عام عشقیہ دستاویز ہے اور اس پر بارہ ماسہ کا رنگ غالب ہے۔ سہارن پور کے رہنے والے روشن علی کی رزمیہ مثنوی ''عاشور نامہ'' ایک اہم ابتدائی کتاب ہے جو 1688 میں تصنیف کی گئی۔ یہ تقریباً 3500 اشعار پر مشتمل ہے اور اس کا موضوع واقعاتِ کربلا ہے۔ اسماعیل امروہی کی مثنوی ''وفات نامہ بیٹی فاطمہ'' سترھویں صدی کی آخری تصنیف قرار دی جائے گی جسے اس کے مصنّف نے 1693 میں تحریر کیا۔ سترھویں صدی میں ''خالقِ باری'' مصنّفہ ضیاالدین خسروی ایک اہم دستاویز ہے۔ مذہبی کتابیں لکھنے کا چلن بھی اردو میں ہو گیا تھا۔ شیخ عبداللہ انصاری کی ''فقۂ ہندی'' کا ذکر بھی ضروری ہے جو سترھویں صدی کی اہم تصنیف مانی جاتی ہے۔

اٹھارھویں صدی سے قبل شمالی ہندستان میں اردو کی کوئی مستقل نثری تصنیف دکھائی نہیں دیتی، حالاں کہ دکن میں اس کی ٹھوس روایت سامنے آ چکی ہے۔ اٹھارھویں صدی اس اعتبار سے بے حد اہم ہے کہ اب اہلِ اردو شمالی ہندستان میں نثر کی طرف بھی متوجّہ ہو رہے ہیں۔ شمالی ہندستان کی پہلی نثری تصنیف ''کربل کتھا'' ہے، جس کے مصنّف فضل علی فضلی ہیں۔ یہ کتاب 1732 سے 1733 کے درمیان لکھی گئی۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کتاب سے پورے ایک سو برس قبل اہلِ دکن نے اپنا نثری شاہکار ''سب رس'' لکھ دیا تھا۔ ''کربل کتھا'' واقعاتِ کربلا سے متعلق ہے لیکن شمالی ہندستان کی پہلی غیر مذہبی ادبی تخلیق ''قصّہ مہر افروز و دلبر'' کو مانا جاتا ہے جسے عیسوی خان بہادر نے 59-1732 کے درمیان لکھا تھا۔ مسعود حسین خاں نے اس کتاب کی زبان کو قصّہ گوئی اور لسانی ارتقا دونوں پہلوؤں سے اہم مانا ہے۔

اٹھارھویں صدی میں شمال میں چند اور بھی کتابیں لکھی گئیں جن کا ذکر ضروری ہے۔ سراج الدین علی خاں آرزو نے

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

''نوادرالفاظ'' تیار کی۔ اس کتاب سے اردو کے تیئں لسانی تبدیلیوں کی جانچ پرکھ کی جاسکتی ہے۔ عطا حسین خاں تحسین نے 1798 میں ''نوطرزِ مرصّع'' لکھی۔ قصّہ گوئی کی ایک اہم کتاب ''عجائب القصص'' بھی اٹھارھویں صدی کے اواخر کی یادگار ہے، جس کے مصنف شاہ عالم ثانی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں شاہ مولوی رفیع الدین دہلوی اور شاہ عبدالقادر دہلوی نے قرآن پاک کے اردو ترجمے کیے۔

یہ عجیب اتّفاق ہے کہ شمالی ہندستان میں اردو کی پیدائش ہونے کے باوجود اردو سے متعلّق تصنیفات کا اچھا خاصا فقدان ہے۔ ایک غیر آباد علاقے دکن میں جاکر اس زبان نے اپنا بڑا سرمایہ رکھ چھوڑا لیکن اسی زمانے میں شمالی ہندستان کے ادبی منظرنامے پر بڑی تعداد میں شعری اور ادبی تصنیفات موجود نہیں ہیں۔ اس کی کوئی ایک وجہ بتانا مشکل ہے لیکن شاید اشرافیہ سماج میں فارسی کو دیگر زبانوں پر فوقیت حاصل تھی جس کی وجہ سے اردو تحریروں کو اوّلین اہمیت حاصل نہیں ہوئی۔ لوگوں نے فارسی کے مقابلے اس نئی زبان کو محفوظ رکھنا شاید ضروری نہیں سمجھا۔ یہ سماجی کوتاہی شمالی ہندستان میں امیر خسرو سے لے کر اٹھارھویں صدی تک موجود ہے۔ اس کے باوجود شمالی ہندستان میں اردو کی بار آور نسل دھیرے دھیرے تیار ہوجاتی ہے جس کی منتہا اٹھارھویں صدی کی شاعری اور انیسویں صدی کی نثر میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مختصر گفتگو

۱۔ امیر خسرو کے موجود ہندوی کلام پر سوالیہ نشان کیوں لگا ہوا ہے؟

۲۔ چار ایسے صوفیہ کے نام لکھیے جن کی تحریروں میں ابتدائی ہندوی زبان کے نمونے ملتے ہیں؟

۳۔ شمالی ہندستان میں اردو کی پہلی مستقل تصنیف کسے قرار دیا جاتا ہے؟

۵۔ نوطرزِ مرصّع کس سال لکھی گئی۔ اس کا تعلّق کس صنف سے ہے؟

تفصیلی گفتگو

۱۔ ''اردو کی ابتدائی کڑیوں کی تلاش میں بھکتی تحریک کے زیرِ اثر لکھا گیا ادب معاونت کرسکتا ہے۔'' اس قول کا ناقدانہ جائزہ لیجیے۔

۲۔ ''شمالی ہندستان میں اردو کی ابتدائی تخلیقات'' ـــــ اس موضوع پر ایک مختصر مقالہ قلم بند کریں۔

۳۔ اردو شمالی ہندستان میں پیدا ہوئی لیکن اس کا ابتدائی ادب سرمایہ دکن میں ملتا ہے۔ اس کے پیچھے کون سے اسباب ہیں؟

Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

اردو کی ابتدائی نشو ونما میں

صوفیۂ کرام کا حصّہ

اردو جدید ہند آریائی زبان ہے اور جس عہد میں اسے زبان کا درجہ حاصل ہوا، وہ ہندستان کی لسانی، تہذیبی، سماجی تاریخ کا نہایت متحرک دور تھا۔ سماجی، سیاسی صورتِ حال پر توجّہ دیں تو چھٹی صدی عیسوی کے بعد جس زمانے میں مسلمانوں کی ملک میں آمد شروع ہوئی، اس وقت تک برہمنوں اور بودھوں کے درمیان طویل تہذیبی آویزشیں نتیجہ خیز حد تک قائم ہو چکی تھیں۔ اونچ نیچ اور اعلا اونا کے طبقوں میں بنٹے سماج میں جب بودھوں نے سماجی رواداری کا سندیش دیا، اس وقت برہمنی سماج کی لسانی اجارہ داری کا تقریباً خاتمہ ہونا شروع ہوتا ہے۔ سنسکرت کے بجاے پالی اور پراکرتوں کا فروغ اور عوامی اعتماد کا حاصل ہونا، یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ ہندستان کا لسانی نقشہ تبدیل ہو رہا ہے۔ اس عہد میں تعلیم کو کسی ایک طبقے میں محدود رکھنے کی سازش کا خاتمہ ہوتا ہے۔

ہندستان میں جب ساتویں صدی میں عربی نژاد مسلمان پہلی بار آئے تو ان کا پیشہ کاروبار تھا۔ مالابار کے ساحل پر وہ بسے اور لسانی اعتبار سے دراویڈی خاندان کی سخت مٹی سے ان کا تعلق قائم ہوا۔ تاریخ شاہد ہے کہ سامی خاندان کے یہ لوگ تجارت اور مذہب کے سلسلے سے جو بھی تجربے کر رہے ہوں لیکن لسانی نقطۂ نظر سے یہ لوگ واقعتاً ایک جزیرہ بننے پر مجبور ہوئے۔ پالی عوامی سطح پر سنسکرت کو سمیٹنے کے بعد خود منجمد ہو رہی تھی اور عوامی سطح پر متعدّد پراکرتوں کو مقبولیت حاصل ہو رہی تھی۔ ساتویں صدی کے بعد اب عربی نژاد حملہ آور کی شکل میں ملک کے شمال مغربی علاقے سے داخل ہوتے ہیں۔ غور کریں تو آج کے اعتبار سے ہندستان کی سرحد کے اندر وہ خطّہ پنجابی اور سندھی زبانوں سے ہم رشتہ رہا ہوگا جن کی قدیم شکلوں کا کوئی ثبوت ماہرینِ لسانیات کو حاصل نہیں ہو سکا۔ محمد بن قاسم کی آمد سے لے کر محمود غزنوی تک عربی اور فارسی یا ترکی زبانوں کے ساتھ ہندستانی حلقے میں جو حملہ آور آئے، انھوں نے اس ملک کی سیاسی، سماجی اور لسانی تاریخ کی کایا پلٹ دی۔ خود ہندستانی خطّہ میں ہند آریائی زبانوں کی تاریخ میں وہ عہد تبدیلیوں کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔ طاقت ور اور مہتم بالشان زبانیں ہوا ہو رہی ہیں اور ان کی جگہ چھوٹی چھوٹی بولیاں اور معمولی لوگوں سے ربط رکھنے والی زبانوں کا فروغ ہو رہا ہے۔

مسلمانوں کی آمد سے جو تہذیبی اور لسانی اشتراک کا سلسلہ قائم ہوا تو پہلی بار ہندستان میں نہ صرف یہ کہ مذہب میں

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime

Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

تکثیریت کا اثر پیدا ہونے لگا بلکہ ملک کے لسانی منچ پر بولیوں اور زبانوں کا لین دین بھی شروع ہونے لگا۔ بھانت بھانت کے لوگ اور متعدّد تہذیبی عوامل کے درمیان جب شورسینی پراکرت اور اپ بھرنش نے مدھیہ دیش کی بولیوں میں اپنا وقار پایا، اس عہد کا لسانی نقشہ ایک بنتی ہوئی زبان کے بغیر مکمل نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھنے میں ایسا لگتا ہے کہ یہ بنتی ہوئی زبان مسلمانوں کی آمد سے اپنی واضح شکل لینے میں کامیاب ہوئی۔ بعض لسانیاتی ماہرین نے بھی اس سے اتفاق کا اظہار کیا ہے لیکن یہ مکمل سچائی نہیں۔ پروفیسر سنیتی کمار چٹرجی کی دلیل معقول ہے کہ اردو زبان اگر ہندستان میں مسلمان نہیں آتے، تب بھی ضرور پیدا ہوتی کیوں کہ اس کی پیدائش کے تمام بنیادی محرّکات اصل میں مقامی یعنی ہندستانی تھے۔ مسلمانوں نے جو کثیر مذہبی اور لسانی ماحول قائم کیا، اس کا اصل فائدہ یہ ہوا کہ لسانی تبدیلیوں کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔ اسی لیے پروفیسر چٹرجی یہ مانتے ہیں کہ اردو کی پیدائش میں مسلمانوں کی آمد نے ایک Catalyst کا کام کیا۔ انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہندستان میں اگر مسلمان نہیں آتے تو اردو کی پیدائش میں سو دو سو سال مزید انتظار کرنا پڑتا۔

کثیر لسانی اور کثیر مذہبی ماحول میں اقوام اور زبانوں کی ترقّی کا انداز ہمیشہ سے مخلوط رہے گا۔ میل جول اور مشترکہ عوامل کی بنیاد پر جو سلسلہ قائم ہوگا، اس کی ترقّی کے راستے آسانی سے کھلیں گے کیوں کہ یہی فطری سلیقہ ہوگا۔ تاریخ کے ابواب شاہد ہیں کہ ہندستان میں مسلمان بادشاہوں نے اگر ایک طرف اپنی افواج کی قطاروں کے ساتھ حملہ کیا تو دوسری طرف علما، صوفیا، حکما اور اطبّا کی ٹولیاں بھی ہم رکاب رہیں۔ ہندستان میں صوفیوں کی ٹولیاں بادشاہوں سے الگ رہ کر اپنی آزادانہ پہچان قائم کرنے میں کامیاب رہیں۔ گیارہویں صدی عیسوی سے یہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ صوفی انسانی محبّت اور رواداری کی بنیادوں پر مذہب کا پیغام ہندستانی عوام تک پہنچانا چاہتے تھے لیکن معاملہ 'زبانِ یار من ترکی و من ترکی نمی دانم' کا تھا ایسے ہی مرحلے میں صوفیوں کے لیے اردو نئے اور مؤثر ذریعے کے طور پر سامنے آئی۔ یہ ان گڑھ اور کچّی زبان عوام و خواص دونوں کے بیچ پُل کا کام کر سکتی تھی۔ صوفیا کے پاس مذہبی تعلیمات کی ترسیل کے لیے اس سے زیادہ کارگر لسانی وسیلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گیارھویں صدی عیسوی کے بعد صوفیا کے ملفوظات و رسائل میں عربی اور فارسی کے پہلو بہ پہلو اردو کے الفاظ اور جملے استعمال میں آنے لگتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جب عام طور پر اردو میں شاعری اور نثر کا کوئی دوسرا نمونہ نہیں ملتا۔ بعض ہندی ناقدین بالخصوص پروفیسر نامور سنگھ اپنی تحقیق میں دسویں صدی اور اس سے متصلاً قبل کے صوفیوں اور ناتھ پنتھ کے مذہبی پیشواؤں کی تحریروں سے جن کی زبان اپ بھرنش تھی، ہندوی کے الفاظ ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ آٹھویں سے بارھویں صدی کے دوران اسلامی تعلیمات پر مبنی تحریروں کا مطالعہ سامنے آچکا ہے لیکن بودھ اور ہندو مذہب سے متعلّق تحریروں پر تحقیق ہونی ابھی باقی ہے۔ شبیر علی کاظمی نے اپنی مختصر تصنیف ''پھراچین اردو'' میں بودھ بھکشوؤں کے دوہوں کے تراجم کیے ہیں اور ان میں اردو الفاظ کا سراغ لگایا ہے۔ یہ سرمایہ ۱۰۰۰ء تک کا ہے۔ لیکن اس پر مزید کام ہونا چاہیے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ ابتداً مولوی عبدالحق اور پھر دیگر اصحاب نے صوفیہ کے تعلّق سے تحقیقات کر کے اپنے نتائج پیش کر دیے۔

ہند آریائی زبانوں کے ارتقا کے عہدِ جدید میں ہندو اور مسلمان دونوں طبقوں میں مذہبی اصلاح کی ملک گیر سطح پر

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

کوششیں دکھائی دیتی ہیں۔ مسلمان صوفی اور ہندو بھکت مذہب کے سماجی مفاہیم کو بالکل نئے انداز میں سامنے لا رہے تھے۔ ان صوفیوں اور بھکتوں کے یہاں مختلف طبقے ملتے ہیں۔ اعتقادات اور نقطۂ نظر میں بھی ایک دوسرے کے بیچ اچھا خاصا فرق ہے۔ ایک بھکت مُورتی پوجا میں وشواس کرتا ہے اور دوسرا بھکت 'مورتی بھنجک' ہے۔ ایک صوفی شریعت کی سخت گیری کو قائم کرنا چاہتا ہے اور دوسرا رواداری کے پیمانے چھلکا رہا ہے۔ ہندستانی سماج میں یہ لوگ پانچ سو سے زیادہ برسوں تک اپنی بااثر سرگرمیوں سے ہماری توجہ کھینچ رہے تھے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ ان اصحابِ رشد و ہدایت نے جس بولی اور زبان میں اپنے ملفوظات چھوڑے، انھیں محفوظ رکھنے میں سماج نے کوتاہی کی۔ بڑی تعداد میں اصل بولیوں کا سرمایہ ضائع ہوا۔ لوگوں نے فارسی، عربی کی عظمت کے سامنے ابھرتی ہوئی عوامی زبان میں موجود ادبی سرمایے کو محفوظ رکھنا ضروری نہیں سمجھا۔ دوسروں کی کون کہے، امیر خسرو کا جو ہندوی کلام ہمارے تصرّف میں ہے، اس کے معتد بہ حصّے کو مستند قرار دینے میں محتاط محققین کو دشواری پیش آتی ہے۔ اِسی لیے اس عہد سے متعلق متن کم سے کم دستیاب ہے اور اُسی پر قناعت کر کے اردو ادب کی مختلف کڑیوں کو جوڑنا ہماری مجبوری ہے۔

مولوی عبدالحق کی مختصر کتاب 'اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیاے کرام کا حصّہ' اس اعتبار سے قاموسی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں صوفیۂ کرام کے ملفوظات اور دیگر علمی ذرائع سے حاصل شدہ ایسے مواد کو جمع کرنے کی پہلی بار کوشش کی گئی ہے جس میں اردو کا استعمال ہوا ہو۔ حالاں کہ قاضی عبدالودود کا اعتراض اپنی جگہ پر بالکل درست ہے کہ مولوی عبدالحق نے اطلاعات جمع کرنے کے جوش میں یہ بھی نہیں دیکھا کہ ان تحریروں کا پایۂ استناد کتنا ہے۔ بعض مجہول روایتیں اور گمنام بیاضوں کو کھلے بندوں آخری نمونے کے طور پر استعمال کرنا تحقیقی آداب کے خلاف ہے۔ اس موضوع سے متعلق تحقیقات کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا ہے۔ بعد میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی تاریخ میں ایک مختصر باب کا اضافہ بھی کیا۔ اس طرح ہم آج اس حالت میں ہیں کہ اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیۂ کرام کی خدمات کا اعتراف کر سکیں۔

امیر خسرو کے ہندوی کلام سے متعلق تحقیقی تنازعات بہت ہیں لیکن مختلف شواہد کی بنیاد پر یہ بھی ایک طے شدہ امر ہے کہ خسرو نے ہندوی میں اچھا خاصا کام کیا۔ خسرو کے فارسی کلام میں ہندوی کے الفاظ اور محاورات موجود ہیں۔ خسرو کے اصل متن میں الحاقی حصّہ کتنا ہے اور اصلی کتنا، اس کا تعیّن آج ناممکن ہے لیکن خسرو کا ہندوی میں رنگِ شاعری کیا ہے، اس سے ایک عالم واقف ہے۔ اسی طرح ابتدائی صوفیوں میں شیخ فریدالدین گنج شکر، شیخ باجن، حمیدالدین ناگوری، بوعلی شاہ قلندر، شرف الدین یحییٰ منیری، عبدالقدّوس گنگوہی جیسے صوفیوں کے ملفوظات سے مثالیں دی جا سکتی ہیں کہ انھوں نے رشد و ہدایت کے کام میں اس نئی زبان اردو کا استعمال کیا۔ ان صوفیۂ کرام کے شانہ بہ شانہ بھکتی آندولن سے متعلق افراد میں نام دیو، کبیر، گرونانک کی خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ان سب کے یہاں تخلیقی سطح پر جس زبان کا استعمال ہو رہا تھا، اُسے اردو کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اردو کے ارتقا کی ابتدائی کڑیوں کو جوڑنے میں صوفیۂ کرام کے دستاویزات وہ لسانی قطب نما ہیں جن کی مدد سے ہم اردو کے ارتقا کے تسلسل کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ اردو کی پیدائش اور دکن میں ادبی زبان کے طور پر ابھرنے کے بیچ جن تین چار سو برسوں کا

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

وقفہ ہے، اس میں لسانی تبدیلیوں کے عوامل انھی صوفیا اور بھگتوں کی تحریروں میں ڈھونڈے جا سکتے ہیں۔ یہ اردو کی بدنصیبی ہے کہ بھگتی تحریک سے متعلق تحقیق کا زیادہ کام نہیں ہو سکا اور صوفیۂ کرام کے ملفوظات کا ادبی اور لسانی استعمال بھی کم کم ہوا۔ ورنہ ہمارے پاس اس سے زیادہ سرمایہ ہوتا اور ہم اردو کی ابتدا کے بعض تاریک گوشوں کو روشن کرنے میں کامیاب ہو چکے ہوتے۔

مختصر گفتگو

۱۔ ہندستان میں مسلمانوں کی آمد نے ہند آریائی زبانوں کے ارتقا پر کیا اثر ڈالا؟

۲۔ زبانوں کے بننے میں تہذیبی اور لسانی اشتراک کی اہمیت واضح کیجیے۔

۳۔ بودھ اور ہندو مت کی تحریروں کے مطالعے سے اردو کی پیدائش سے متعلق نظریات میں کیا تبدیلی آ سکتی ہے؟ اپنے تصورات قلم بند کیجیے۔

۴۔ امیر خسرو کے غیر مستند ہندوی کلام سے کون سے مثبت نتیجے برآمد ہوئے ہیں؟

تفصیلی گفتگو

۱۔ ’’اردو زبان اگر ہندستان میں مسلمان نہیں آتے تب بھی ضرور پیدا ہوتی‘‘۔ اس قول سے اتفاق یا اختلاف کرتے ہوئے اپنا خیال واضح کیجیے۔

۲۔ اردو کی پیدائش میں صوفیہ کے رول کا جائزہ لیجیے۔

۳۔ مولوی عبدالحق کی کتاب ’’اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیۂ کرام کا حصہ‘‘ کس حد تک معتبر ہے؟ وضاحت کیجیے۔

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions Empowering Technologies...

اردو زبان و ادب کی مختصر تاریخ

(گیارھویں اور بارھویں جماعتوں کے لیے)

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

محکمۂ فروغ وسائلِ انسانی (H.R.D.)، حکومتِ بہار سے منظور

صوبائی کونسل برائے تعلیمی تحقیق وتربیت (SCERT)، پٹنہ کے تعاون سے پورے صوبۂ بہار کے لیے

© بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ

پہلی اشاعت : 2008

قیمت : Rs. 17.00

بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ، پاٹھیہ پستک بھون، بدھ مارگ، پٹنہ۔800 001 کے ذریعہ
شائع اور سن رائز پلاسٹک ورکس، پٹنہ۔800 005 میں H.P.C. کے GSM 70 (واٹر مارک)
ٹکسٹ پیپر پر کل 5000 کاپیاں چھاپی گئیں۔ Size : 24x18cm

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

اپنی بات

گذشتہ سال کی طرح اس سال بھی نئے نصابِ تعلیم کے مدِّ نظر بارھویں کلاس کے لیے زبان وادب کی نئی کتاب اپنے صوبے کے ہونہار طالب علموں کے لیے پیش کرتے ہوئے ہمیں بے حد خوشی ہورہی ہے۔ دو سال پہلے سے ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی، بہار نے تمام زبانوں کی کتابیں بہار میں ہی تیار کرکے پیش کرنے کا جونشانہ رکھا تھا، اس میں پچھلے سال گیارھویں جماعت کی کتابیں شائع ہوئیں اور اب بارھویں جماعت کی درسی کتاب آپ کے پیشِ نظر ہے۔ یہ کتابیں تعلیم کے جدید تصوّرات کو سامنے رکھ کر تیار کی گئی ہیں۔ اس لیے ان کتابوں سے ہمارے طالب علم زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کرسکیں گے۔

جب تک ہمارا نصابِ تعلیم معیاری نہ ہوگا اور اس کے مطابق مناسب درسی کتابیں تیار نہ کردی جائیں، اس وقت تک ہم اپنے ہونہار طالب علموں کی ضرورتوں کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتے۔ یہ کتاب ایک نئے جوش اور جذبے کے ساتھ تیار کی گئی ہے جس میں ہماری کوشش یہ رہی ہے کہ اسباق کے سمجھنے میں طلبہ کو زیادہ سے زیادہ سہولت حاصل ہو؛ اساتذہ کو تدریس کے دوران درسی کتاب کے ذریعے بھرپور تعاون مل سکے اور ہمارا طالبِ علم چلتے پھرتے زندگی کی بڑی بڑی باتیں اور علم وادب کے گہرے رموز سیکھتا جائے۔ اس کے لیے اسباق کے متن پر بھرپور تجزیاتی مشقیں شامل کی گئی ہیں تاکہ طالبِ علم کسی پریشانی میں نہیں پڑے۔

بہار ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ کی جانب سے میں ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی، بہار کے ڈائرکٹر، بہار اسکول اکزامنیشن بورڈ، (سینیر سکنڈری) کے ڈائرکٹر (اکادمک) اور نصاب اور درسی کتاب کمیٹی کے اکادمک کوآرڈینیٹر کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی وجہ سے ماہرین کا تعاون حاصل کیا جاسکا۔ میں ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی، بہار کی اور اورینٹل لینگویجز کمیٹی کے چیرمین کا بھی شکرگزار ہوں جنھوں نے اپنی نگرانی میں اردو، فارسی اور عربی کی درسی کتابیں تیار کرائیں۔

یہ کتابیں آیندہ اشاعتوں میں مزید رنگ وروغن کے ساتھ شائع کی جاسکیں گی لیکن موجودہ اشاعت میں سادگی میں پُرکاری ملاحظہ کرنے کے لیے میں اربابِ حل وعقد کو دعوت دینا چاہوں گا۔ کتاب میں کوئی فروگذاشت ہو تو اس کی اطلاع فوراً ہم پہنچائیں تاکہ بروقت اصلاح کرکے آیندہ اشاعتوں کو غلطیوں سے پاک رکھا جاسکے۔

حسنین عالم (آئی۔اے۔ایس)

مینیجنگ ڈائرکٹر، بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ، پٹنہ

Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

گزارش

تقریباً ڈھائی برس پہلے اسٹیٹ کاؤنسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ (ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی۔)، بہار نے اسکولی تعلیم کے لیے مبسوط نصاب تیار کرنے کی جو کوششیں شروع کیں، اس کے نتیجے کے طور پر پچھلے برس گیارھویں جماعت کے لیے زبان وادب کی متعدد کتابیں شائع ہوئیں، جنھیں گذشتہ سال ہمارے طلبہ نے پڑھا اور اس کی بنیاد پر ان کے سالانہ امتحانات ہوئے۔ طلبہ، اساتذہ، سرپرستوں اور ماہرین نے ہماری پچھلی کتابوں کو نہ صرف یہ کہ سراہا بلکہ انھیں بہار کے تعلیمی نظام کے لیے ضروری اور نیک فال قرار دیا۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے ادارے نے پہلی بار بہار کے نصابِ تعلیم اور درسی کتاب کے لیے تمام تر ذمّے داریاں اپنے سر لیں۔ اردو، فارسی اور عربی کے سلسلے سے تو آج سے پہلے ہمارے ادارے میں کبھی بھی کسی کتاب کا خاکا تک نہیں بنا تھا۔ ایسی صورتِ حال میں قومی سطح پر بڑے تعلیمی اداروں میں جس انداز سے کتابیں تیار کرانے کا سلسلہ رہتا ہے، ہم نے انھی خطوط پر آگے بڑھنے کا ارادہ کیا۔ قومی اور صوبائی درسیات، نصابِ تعلیم اور درسی کتاب سے متعلّق مختلف ورک شاپ اور مذاکروں کے دوران کتابیں تیار کرنے کے لیے مختلف مضامین کے باصلاحیت، تجربہ کار اور محنتی لوگوں کی رفتہ رفتہ ایک ٹیم بنتی چلی گئی۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہوا کہ ہمارا تعلیمی تصوّر، نصاب اور درسی کتاب میں ڈھل کر عوام کے سامنے آیا۔

'اردو زبان وادب کی مختصر تاریخ' کتاب ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی۔ کے اورینٹل لینگویجز گروپ کے چیرمین اور کالج آف کامرس، پٹنہ کے صدر شعبۂ اردو، صفدر امام قادری نے طلبہ کے معیار اور تعلیمی ضرورت کو دھیان میں رکھتے ہوئے تیار کی ہے۔ ہم اُن کے شکر گزار ہیں۔ مسوّدے کو آخری شکل دینے کے مرحلے میں مشتاق احمد، واحد نظیر، محمد زاہد الحق، حسن احمد، عابدہ پروین، محمد امین صاحبان نے معاونت فرمائی۔ ان تمام اصحاب کا شکریہ ہم پر واجب ہے۔ ہمیں توقّع ہے کہ اس کتاب کے مطالعے سے طلبہ کو اردو ادب کے طول وعرض کا پتا چل سکے گا۔

پچھلے سال ہمارے طلبہ نے گیارھویں جماعت کے لیے تیار شدہ درسی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اب انھیں بارھویں کی نئی کتابوں کا انتظار ہے جنھیں پڑھ کر انھیں اپنے بورڈ کا امتحان دینا ہے۔ بارھویں کی کتاب بھی ہم نے اسی توجّہ اور انہماک کے ساتھ تیار کرائی ہے جس طرح گذشتہ درجے کی کتاب تیار کی گئی تھی۔ ہمارا اندازہ ہے کہ یہ کتاب بھی ہمارے بچّوں کو اسی طرح پسند آئے گی جس طرح پچھلے سال کی کتاب انھیں پسند آئی تھی۔ ہم نے ہر قدم پر یہ کوشش کی ہے کہ ہماری کتابیں دل چسپ، سہل، معلومات

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

افزا اور ہر اعتبار سے کار آمد ہوں۔

اس کتاب کی اشاعت کے موقعے پر اورینٹل لینگویجز گروپ کے چیرمین جناب صفدر امام قادری، اردو درسی کتاب کمیٹی کے کوآرڈینیٹر جناب ظفر کمالی اور معاون کوآرڈینیٹر محترمہ ترنّم جہاں کے ہم خاص طور پر شکر گزار ہیں کیوں کہ انھوں نے نہایت مستعدی کے ساتھ اس ذمّے داری کو بہ حسن وخوبی انجام دیا۔ کتاب کی تزئین اور تصحیح کے کام میں بھی ان لوگوں نے متعلقہ افراد سے تعاون لے کر ہماری پریشانیاں کم کر دیں۔

نظرِ ثانی کمیٹی اور صلاح کار کمیٹی کے معزّز اراکین کے بھی ہم شکر گزار ہیں۔ انھوں نے ہماری کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور کتاب کو مزید بہتر اور کار آمد بنانے کے لیے مشورے عنایت فرمائے۔ اسکول، کالج اور یونی ورسٹیوں کے اساتذہ کتاب کی تیاری کے سلسلے سے متعدّد ورکشاپ میں مدعو کیے جاتے رہے، ان کا اور ان کے پرنسپل صاحبان کا شکریہ بھی ہم پر واجب ہے۔

ہمیں اطمینان ہے کہ یہ کتاب بہار کے طلبہ کے لیے نہ صرف یہ کہ مفید ثابت ہوگی بلکہ نئے تعلیمی ماحول کی تعمیر میں بھی اس سے بھرپور مدد ملے گی۔ بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن کے اہلِ کار بالخصوص اس کے ایم۔ ڈی۔ جناب حسنین عالم کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے جن کی کوششوں سے ہماری نصابی کتاب بروقت چھپ کر منظرِ عام پر آسکی۔

آیندہ اشاعتوں میں یہ کتاب اور زیادہ کار آمد ہو سکے، اس کے لیے ضروری ہے کہ پڑھنے والے اپنے مفید مشورے ہم تک ارسال کرنے کی زحمت اٹھائیں۔ طلبہ اور اساتذہ سے بھی ہماری گزارش ہوگی کہ اس کتاب کے بارے میں اپنی واضح رائے دیں۔ اُن کا پیشگی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

حسن وارث

ڈائرکٹر (انچارج)

ایس۔ سی۔ ای۔ آر۔ ٹی، بہار، (پٹنہ)

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

کمیٹی برائے درسی کتاب (اردو)

زیرِ سرپرستی

حسن وارث، ڈائرکٹر، ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی، بہار

رگھوونش کمار، ڈائرکٹر (اکادمک)، بہار اسکول اکزامنیشن بورڈ، (سینیر سکنڈری)، پٹنہ

زیرِ رہنمائی

سید عبدالمعین، صدر، ٹیچر ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ، ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی، بہار

قاسم خورشید، صدر، لینگویج ڈپارٹمنٹ، ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی، بہار

ارچنا، لکچرر، ٹیچر ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ، ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی، بہار

اراکین، نظرِ ثانی کمیٹی، ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی، بہار

علیم اللہ حالی، سابق صدر شعبۂ اردو، مگدھ یونی ورسٹی، بودھ گیا

فاروق احمد صدیقی، ڈین ہیومنیٹیز اور صدر شعبۂ اردو، بی۔آر۔اے۔بہار یونی ورسٹی، مظفر پور

جمشید قمر، سابق صدر شعبۂ اردو، رانچی کالج، رانچی یونی ورسٹی، رانچی

اراکین، صلاح کار کمیٹی، بہار اسکول اکزامنیشن بورڈ، (سینیر سکنڈری)

وہاب اشرفی، سابق چیرمین، بہار یونی ورسٹی سروس کمیشن اور بہار انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن کاؤنسل، پٹنہ

فصیح الزماں، صدر شعبۂ اردو، مگدھ یونی ورسٹی، بودھ گیا

اکادمک کنوینر

گیان دیومنی ترپاٹھی، کمیٹی برائے نصاب اور درسی کتاب

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime

Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

کمیٹی برائے درسی کتاب (اردو)

مولّف

صفدر امام قادری، صدر شعبۂ اردو، کالج آف کامرس، پٹنہ
چیرمین، اورینٹل لینگویجز گروپ، ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی، بہار

کوآرڈینیٹر

ظفر کمالی، شعبۂ فارسی، زیڈ۔اے۔ اسلامیہ کالج، سیوان

معاون کوآرڈینیٹر

ترنّم جہاں، ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، مگدھ یونی ورسٹی، بودھ گیا

اراکین

مشتاق احمد، شعبۂ اردو، ملّت کالج، دربھنگہ
واحد نظیر، استاد، شہید راجندر پرساد سنگھ پٹنہ ہائی اسکول، گردنی باغ، پٹنہ
محمد زاہد الحق، شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی
حسن احمد، لائبریرین، گورنمنٹ اردو لائبریری، پٹنہ
عابدہ پروین، استاد، ہائی اسکول، مینا پور رائی، ویشالی
محمد امین، ریسرچ اسکالر

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

چند الفاظ نئے نصاب اور درسی کتاب کے بارے میں

2005 میں این۔سی۔ای۔آر۔ٹی، نئی دہلی نے ملک کے ممتاز ماہرینِ تعلیم اور دانش وروں کے تعاون سے قومی درسیات کا خاکا (NCF-2005) شائع کیا۔ پورے ملک میں اس کے ابتدائی خاکے سے جو مباحث قائم ہوئے، انھی کا یہ اثر تھا کہ ملک کے طول و عرض میں مروّجہ تعلیمی نظام میں خاطر خواہ تبدیلی لانے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ بہار اُن صوبوں میں شامل رہا جس نے نہ صرف یہ کہ قومی درسیات کے سلسلے میں اپنے واضح نقطۂ نظر کو پیش کیا بلکہ انھی مباحث کے دوران یہ تاثر بھی اُبھرا کہ قومی سطح پر طے شدہ درسیات کے اس خاکے کو صوبۂ بہار کے مخصوص تناظر میں سوفی صد کارگر تصوّر نہیں کیا جاسکتا۔ اسی بیچ یہ بات بھی سامنے آئی کہ مخصوص حالات کے پیشِ نظر بہار کی درسیات کا خاکا بھی علاحدہ طور پر تیار کیا جانا چاہیے۔ Bihar Curriculum Framework (BCF-2006) صوبۂ بہار کے تعلیمی نظام کو ایک نئے تصوّر، نقطۂ نظر اور لائحۂ عمل سے ہم آشنا کرانے کا شاید وسیلہ ثابت ہو۔

درسیات، نصاب اور درسی کتاب کے آپسی رشتوں کے بارے میں ہمارے صوبے میں زیادہ غور و فکر کی روایت نہیں تھی۔ خاکۂ نصاب تیار کرکے، کتابیں بنا لینے یا قومی سطح پر موجود درسی کتاب کو من و عن یا جزوی تحریف کے ساتھ استعمال میں لانے کا انداز گذشتہ دو دہائیوں سے قائم رہا ہے لیکن پچھلے سال پُرانے طرزِ عمل کو چھوڑتے ہوئے نئے نشانات مقرّر کیے گئے۔ این۔سی۔ای۔آر۔ٹی۔ کے NCF-2005 کی روشنی میں جس گفتگو کا آغاز ہوا، اُسے BCF-2006 اور این۔سی۔ای۔آر۔ٹی۔ کے نصاب اور بہار کے گذشتہ نصاب اور بہار ٹکسٹ بک اور این۔سی۔ای۔آر۔ٹی۔ کی کتابوں کا موازنہ کیا گیا اور یہ جانچنے کی بھی کوشش کی گئی کہ نصاب کا کتنا حصّہ درسی کتاب میں شامل ہو سکا اور غفلت پسندی میں کتنا چھوٹ گیا۔ اس طرح تقریباً ایک برس کی میراتھن سرگرمی کے بعد ہم بہار کے لیے ایک نیا نصابِ تعلیم تیار کرنے میں کامیاب ہوئے۔

تعلیم سے متعلق دنیا میں جو نئے سوالات یا چیلنجز ہمارے سامنے ہیں، اُن کو دیوار پر لکھی عبارت کی طرح ہم نے سب سے پہلے توجّہ کا مرکز بنایا۔ ابتدائی درجات سے لے کر درجۂ دوازدہم تک ہمارا طالب علم کس طرح زینہ بہ زینہ اگلی منزلوں کی طرف بڑھتا جائے گا، اس کا واضح خاکا، نصاب تیار کرتے ہوئے ہماری نگاہ میں تھا۔ ہر سطح سے آگے بڑھتے ہوئے بچّہ کیا سیکھتا جائے گا جس سے اُسے ایک ذمّے دار اور موثّر شہری بننے میں مدد ملے، اس کا بھی ہم نے دھیان رکھا۔ بچّوں پر نظامِ تعلیم اور

Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

کتابوں کا غیر ضروری بوجھ نہ لد جائے، اس کے تئیں بھی ہم نے غفلت نہیں برتی۔ ان تمام امور پر بیدار رہتے ہوئے ہم نے اپنا نصاب تیار کیا۔

جہاں تک زبان وادب کی تعلیم کا سوال ہے، اس کی اہمیت کچھ زیادہ ہی ہے۔ مادری زبان تو وہ پونجی ہے جس کے بغیر بچّے کا وجود تصوّر نہیں کیا جاسکتا۔ کئی دوسری زبانیں اور بولیاں بہار جیسے کثیر لسانی معاشرے میں پہلو بہ پہلو موجود ہیں۔ ایک بچّے کو اُن تمام زبانوں اور بولیوں میں سے مقدور بھر سیکھنے کی ضرورت ہوگی۔ زبانیں ماحول سے بچّے کے اندر داخل ہوتی ہیں اور نصابی کتاب تک پہنچنے سے پہلے ہی سیکڑوں الفاظ اور جملوں سے وہ واقف ہو چکا ہوتا ہے۔ زبانوں کی مدد سے ہی وہ دوسرے مضامین کی تعلیم بھی حاصل کرتا ہے۔ NCF-2005 نے خاص طور پر کثیر لسانی معاشرے کی پہچان کی اور ہندستان کی تہذیبی اور ثقافتی طاقت کو نصاب کا حصّہ بنانے کی وکالت کی۔ صوبۂ بہار بھی بولیوں اور زبانوں کی اس زرخیزی کی بہترین تجربہ گاہ ہے جس کی وجہ سے نصابِ تعلیم میں مختلف علاقائی، قومی اور بین الاقوامی زبانوں سے طلبہ کو روشناس کرانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس طرح ہماری یہ کوشش رہی کہ یہ نصابِ بہار کی مخصوص ضرورتوں کی تکمیل کرتے ہوئے نہ صرف قومی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو بلکہ اس کے دروازے اور کھڑکیاں بین الاقوامی فصیلوں کی طرف بھی کھلیں۔

اردو کے ساتھ فارسی اور عربی کے نصابِ تعلیم کی ہماری مشترکہ ذمّے داری تھی۔ ہندستانی معاشرے کے لیے اردو ایک زندہ اور روزانہ کام آنے والی زبان ہے جسے مادری زبان / پہلی زبان کے طور پر لاکھوں طالب علم اپناتے ہیں۔ فارسی اور عربی زبانیں ہر چند ہمارے معاشرے میں دوسری، تیسری اور چوتھی زبانوں کا درجہ رکھتی ہیں پھر بھی اُن کی شدید ضرورت کے دو واضح اسباب ہیں۔ دونوں زبانیں کلاسیکی اہمیت کی حامل ہیں اور اُن کا وقیع ادبی سرمایہ نہایت کارآمد ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں زبانیں عالمی سطح پر بہترین معاشی وسائل فراہم کرتی ہیں۔ کلاسیکی ہونے کے باوجود یہ زبانیں زندہ اور متحرک ہیں۔ اس لیے ان دونوں زبانوں کے نصابِ تعلیم اور درسی کتاب تیار کرتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ چھٹی جماعت سے انھیں پڑھنے کے باوجود بارھویں درجے تک پہنچ کر بچہ اتنی صلاحیت پیدا کرلے کہ وہ ان زبانوں میں کاروباری ضرورتیں پوری کر سکے۔

اردو مادری زبان ہے اور طلبہ کو درجۂ اوّل سے اس کا مطالعہ کرنا ہے، اس لیے اس زبان کے نصب کی تیاری میں دوسرے اصول کارفرما رہے۔ مادری زبان سیکھنے کے وسائل نصابی کتاب اور کلاس روم کے علاوہ کئی اور بھی ہیں۔ دوسری زبانوں کے مقابلے اس کے سیکھنے کی رفتار تیز ہوگی۔ بچہ نصابی کتاب کے باہر سے بھی بہت کچھ نیا سیکھتا جاتا ہے۔ اس لیے مادری زبان کے نصاب کی تیاری میں ہمارے سامنے یہ چنوتی بھی ہوتی ہے کہ آخر پورے سال تواتر کے ساتھ اس نصاب کو کیسے پڑھایا جائے؟

Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

تاریخِ ادبِ اردو کا مطالعہ کیوں......؟

صوبۂ بہار کے لیے نئے نصابِ تعلیم کو تیار کرتے ہوئے یہ موضوع بار بار اراکین کے ذہن میں سوال کی طرح ابھرتا رہا کہ کیا اپنی زبان وادب کی تاریخ پڑھائے بغیر ہم بچّوں کے ادبی ذوق کی مناسب تربیت کر سکتے ہیں؟ یہ صرف اردو سے ہی متعلّق نہیں تھا بلکہ تمام زبان وادب کے لیے یکساں طور پر غور وفکر کی بات تھی۔ نصاب اور درسی کتاب کمیٹی کے اکادمک کنونیر جناب گیان دیومنی ترپاٹھی تو ہمیشہ یہ سوال اٹھاتے رہے کہ کیا زبانوں کے ارتقا کی تاریخ قصّے اور کہانی کی طرح، ہم بچّوں کو نہیں پڑھا سکتے؟ شاید یہی وجہ تھی کہ گیارھویں اور بارھویں جماعتوں کے لیے مشترکہ طور پر تمام زبانوں میں تاریخِ زبان وادب کی ایک علاحدہ لیکن مختصر کتاب شاملِ نصاب کرنے کا فیصلہ ہوا۔

یہ سوال اساتذۂ کرام اور طلبہ دونوں کے ذہنوں میں پیدا ہوسکتا ہے کہ انٹرمیڈیٹ کی سطح پر تاریخِ ادب پڑھانا کہیں اضافی تعلیمی بوجھ تو نہیں؟ اس سوال کے جواب سے پہلے ہمارے ذہن میں یہ بات لازمی طور پر ہونی چاہیے کہ ہمارے بچّے درسی کتاب پڑھتے ہوئے تاریخِ زبان وادب کی بہت ساری بنیادی باتیں چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں پڑھ چکے ہوتے ہیں۔ مختلف اصناف کی مختصر تاریخ اور شاعروں، ادیبوں کے حالاتِ زندگی سے متعلّق معلومات کیا تاریخِ ادب سے الگ کوئی چیز ہیں؟ ایسے مختصر نوشتے نویں جماعت سے ہی بچّوں کے مطالعے میں آنے لگتے ہیں۔ اس لیے جب تاریخِ ادب کی وہ مکمل لیکن مختصر کتاب کا مطالعہ کریں گے تو اُن کے لیے سب کچھ انجانا نہیں ہوگا۔ بلکہ انھوں نے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں جن باتوں کو گذشتہ تین چار برسوں میں سمجھنے کی کوشش کی ہے، ان کو ایک مرتّب شکل میں تاریخِ ادب کے عنوان سے یکجا صورت میں مطالعہ کرنا ہے۔ یہ ایک ایسی کوشش ہے جس میں طالب علم کو بھولا ہوا سبق پھر سے یاد کر کے، خود کو تر و تازہ کر لینا ہے۔

تاریخِ زبان وادب کی تدریس کے مقاصد بالکل واضح ہیں۔ جس طرح ہم اپنے اطراف و جوانب اور اسلاف کے بارے میں معلومات حاصل کر کے خوش ہوتے ہیں، اسی طرح اپنی زبان کی تاریخ پڑھتے ہوئے اِصل میں اپنے ادبی خاندان کے بچھڑے اور بھولے بسرے لوگوں سے ملاقات کی ایک صورت پیدا کرتے ہیں۔ اس آشنائی سے خلوص اور اپنائیت بڑھتی ہے۔ جہاں تک اردو کی ادبی تاریخ کا سوال ہے، ہم اپنے طالبِ علم کو یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ آپ جسے اپنی مادری زبان تسلیم کرتے ہیں، وہ ہمیشہ سے اسی شکل میں نہیں ہے جس شکل میں آپ اسے دیکھ رہے ہیں۔ یہ زبان مختلف مقامات اور ادوار کا سفر کرتی ہوئی

© Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime

Abdiel Solutions
Empowering Technologies...

ہم تک پہنچی ہے۔ یہ ایک دن کی کہانی نہیں ہے۔ کم ازکم ایک ہزار برس بیت گئے، جب ہماری زبان نے تشکیل کے سلسلے میں قدم بڑھایا۔ ایک ایک قدم بڑھنے اور ترقی کے مراحل طے کرنے میں جو ہزار برس بیتے، اس میں ہمارے ملک اور قوم کی زندگی میں بہت ساری اُتھل پتھل اور عروج وزوال کے واقعات چھپے رہے۔ نہ جانے کتنے اندھیرے اور اجالے اس دوران ہماری زبان کے حوالے سے پیدا ہوئے اور اس کے دوررس نتائج بھی سامنے آئے۔

سچی بات تو یہی ہے کہ تاریخ ادب کا مطالعہ اپنی زبان، اپنے ملک اور اپنی قوم کے نشیب وفراز کے ظاہری اعداد وشمار ہی جمع کرنا نہیں بلکہ داخلی کی سطح پر زبان، ملک اور قوم میں تعمیر و تخریب کا کیسا گھماسان مچا تھا، اسے بھی درج کرنا ادب کے تاریخ نویس کے لیے ایک ضروری کام ہے۔ اسی لیے جب ہم تاریخِ ادب کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم تہذیب وتمدن اور ثقافت کے بدلتے منظروں کو بھی اپنی آنکھوں میں سمیٹتے آگے بڑھ رہے ہیں۔ غور کرنے پر یہ پتا چلتا ہے کہ تاریخ ادب کی معلومات کے دائرے میں ہی عمومی تاریخ، ادیبوں اور شاعروں کے احوال، سیاست کے بدلتے رنگ، سماجی ارتقا کے بدلتے مختلف پڑاؤ سب ایک ساتھ ہمارے مطالعے کا حصّہ بن جاتے ہیں۔ سماج کے ایک منچ پر جو تبدیلی آتی ہے، اس کے لازمی اثرات دوسری جگہ پر بھی ہوتے ہیں ادب ان تبدیلیوں اور آویزشوں کی مستند ترجمانی بھی ہے۔ اس لیے ادبی تاریخ کا دائرہ کار بہت پھیل جاتا ہے۔ آخر کوئی توجہ ہوگی کہ تاریخِ ادب اردو سے متعلّق کتابوں کے صفحات کی تعداد اکثر ہزاروں میں ہوتی ہے۔

ہم نے اپنے ہونہار طلبہ کے لیے اپنی زبان کی تاریخ کا ایک چھوٹا سا گلدستہ تیار کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ گلدستہ گلستاں نہیں ہوتا لیکن اس سے کون انکار کرے گا کہ باغ کے سب سے اچھے پھولوں کا مجموعہ ہی گلدستہ ہے۔ اسے باغ کی نمایندگی کرنے کا حق حاصل ہے۔ ہمیں یہ پتا ہے کہ اختصار کی وجہ سے اردو ادب کی ہزاروں خوشبوئیں اور روشنیاں ہمارے طلبہ تک صراحت کے ساتھ نہیں پہنچ پائیں گی لیکن اشارے میں شاید ہم ہی سہی، اپنی مادری زبان کے ارتقا کی ضروری باتیں بتانے میں کامیاب ہیں۔ روم ایک دن میں نہیں بن گیا تھا، اسی طرح ہماری زبان بھی ایک دن میں اس طرح سے کھڑی نہیں ہوسکی۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچّے اس بات کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلیں کہ ان کی زبان بھی بہت سارے لوگوں کی کوششوں اور جدّ وجہد کے بعد آج اس شکل میں سامنے آسکی ہے۔ پچھلے زمانے کی کہانی کی چھوٹی چھوٹی گتھیوں کو سلجھانا معلومات کے نئے خزینوں تک پہنچنا ہے۔ یہ سلسلہ اپنی زبان کی ایک جادوئی دنیا کی سیر بھی ہے۔ ارتقا کے کس موڑ پر ایک چھوٹی سی بات انقلاب آفریں تبدیلیوں کا اشارہ بن گئی اور کتنے بڑے لکھنے والے کسی خاص وجہ سے وقت کی گرد کی نذر گئے، ان کی تفصیل کے لئے تاریخِ ادبِ اردو کا مطالعہ ایک ناگزیر عمل ہے۔

تاریخِ ادب کی تدریس سے ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہمارا طالبِ علم اپنی مادری زبان کی تاریخ سے جذباتی طور پر اس طرح جڑ جائے جس سے آنے والے وقت میں، چاہے وہ جس علمی شعبے کا رُخ کرے لیکن اپنی زبان سے اس کی جذباتی وابستگی ہر حال میں قائم رہے۔ اس کا ایک لازمی فائدہ یہ بھی ہوگا کہ وہ کسی بھی ثقافتی یا لسانی حلقے میں پہنچے، وہ اپنی جڑوں سے جُڑا ہوا ہوگا۔ اسے

Copy right received only to BSTBPC, Govt of Bihar and Abdiel Solutions (www.absol.in). Publishing (web/App/Books) will be crime
Abdiel Solutions
Empowering Technologies...